

حضرت آدمؑ کی عصمت کے بارے میں اعتراض

<?xml encoding="UTF-8">

حضرت آدمؑ کی عصمت کے بارے میں اعتراض



آجکل
ہمارے
ہاں
حضر
ت آدمؑ
کی
بحث
جاری
ہے
گرچہ
یہ
بحث

زمانہ قدیم سے ہے اور ہمارے بزرگان نے اسکا کافی و شافی جواب دیا ہے۔ لیکن بعض حضرات کی جانب سے اسی بات کو دوبارہ دہرایا گیا ہے لہذا اختصار کے ساتھ اسکا جواب پیش کیا جاتا ہے۔

اس اعتراض کے جواب سے پہلے ”عصمت“ کے بارے میں چند نکات پر توجہ کرنا ضروری ہے۔

عصمت کا لغوی معنی:

عصمت لغوی اعتبار سے ”منع کرنے اور روکنے“ کے معنی میں ہے۔ لسان العرب

اور مقاییس اللغة مادہ ”عصم“ کے ذیل میں۔

عصمت کا اصطلاحی معنی:

ان العصمة عبارة عن لطف يفعلہ اللہ بالمكلف بحيث لا يكون له (مع ذالک) داعٍ الى ترک الطاعة

ولا الى فعل المعصية مع قدرته على ذالک۔ [1]

عصمت عبارت ہے اس لطف سے جو پروردگار عالم اپنے مکلف کے لیے انجام دیتا ہے (پھر) اس لطف الہی کے سایہ میں مکلف کیلئے اطاعت کو ترک کرنے یا معصیت کو انجام دینے کا کوئی انگیزہ ہی باقی نہیں رہتا البتہ ترک طاعت اور فعل معصیت پر قادر ہوتا ہے۔

مذکورہ عصمت کی تعریف مشہور متکلم فاضل مقداد سے نقل کی گئی ہے باقی دوسرے متکلمین نے بھی تقریباً یہی تعریف بیان کی ہے۔

عصمت کے بارے میں اہم نکات:

الف: عصمت ایک وہی چیز ہے یعنی عصمت اس دنیا میں آکر نبی یا امام اکتساب نہیں کرتا بلکہ یہ ایک لطف و عنایت الہی ہے جو اول پیدائش سے ہی نبی اور امام کو حاصل ہوتی ہے۔

ب: عصمت کی صورت میں نبی یا امام مجبور نہیں ہوتا بلکہ اختیار و قدرت کے باوجود معصیت الہی نہیں کرتا۔

ج: عصمت کے دو اہم رکن ہیں:

معصوم، خطا، نسیان اور سہو سے محفوظ ہوتا ہے یعنی معصوم سے اشتباہ یا بھول چوک کی وجہ سے بھی غلطی نہیں ہو
ہوتی۔

معصوم عمداً بھی معصیت خدا نہیں کرتا۔

د: عصمت کا سرچشمہ وہ لطف و عنایت الہی ہے جو علم کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

وضاحت: پروردگار عالم معصوم کو گناہ اور معصیت کی حقیقت کا علم عطا کرتا ہے جس علم کی بدولت گناہ کی زشتی اتنی واضح اور عیاں ہوجاتی ہے جیسے ہمارے لیے غلاظت کی زشتی واضح ہوتی ہے۔

سوال: کیا علم بھی عصمت کا باعث بنتا ہے؟

جواب: بالکل، کبھی کبھار علم اتنا قوی ہوتا ہے کہ انسان مخالفت کا سوچ بھی نہیں سکتا مثلاً کبھی بھی کسی نے غلاظت کھانے کا تصور بھی کیا ہے؟ بالکل بھی نہیں، کیوں؟

اس لیے کہ اس عمل کی شناعت اور زشتی ہمارے لیے اتنی روشن اور عیاں ہے کہ اس عمل کا سوچ بھی نہیں سکتے اس اعتبار سے معصوم کیلئے معصیت اور گناہ کی شناعت اور زشتی واضح اور روشن ہوتی ہے کہ اس عمل کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

ذرا غور کیجئے!

مذکورہ صورت میں انسان مجبور نہیں ہوتا اپنے اختیار کے ساتھ ہی اس عمل کو انجام دیتا ہے۔

ه: عصمت کیلئے اہم ترین دلیل یہ ہے:

”پروردگار عالم انبیاء اور اپنے نمائندے لوگوں کی سعادت دنیوی اور اخروی کی وجہ سے مبعوث کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اپنے ہدف اور سعادت تک رہنمائی کرسکے اور یہ کام اسی صورت میں ہوگا جب عام لوگوں کو الہی نمائندے پر اعتماد ہو۔ اب اگر یہی انبیاء خطا اور گناہ و معصیت کا ارتکاب کریں تو لوگ ان پر اعتبار نہیں کریں گے جس کے نتیجے میں بعثت کا ہدف پورا نہیں ہوگا۔“

اسی دلیل کو خواجہ نصیرالدین طوسیؒ نے تجرید الاعتقاد میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”يجب في النبي العصمة ليحصل الوثوق فيحصل الفرض“

عصمت حضرت آدمؑ کے بارے میں مندرجہ ذیل شبہات ہوسکتے ہیں:

حضرت آدمؑ معصوم تھے تو نہی الہی (لا تقربا هذه الشجرة) کی مخالفت کیوں کی؟

اس سوال کے جواب سے پہلے مقدمہ کے طور پر یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اوامر و نواہی کی دو قسمیں ہیں:

الف: امر و نہی مولوی

اس سے مراد یہ ہے کہ مولیٰ اپنی مولویت اور مالکیت کے اعتبار سے اپنے بندے کو کوئی امر یا نہی کرے تو عقل کہتی ہے کہ بندے پر واجب ہے اپنے مولیٰ کی اطاعت کرے اگر اطاعت نہیں کرے گا تو گناہ گار قرار پائے گا۔

ب: امر ونہی ارشادی

اس سے مراد یہ ہے کہ مولیٰ اپنی مولویت اور مالکیت اور اقتدار کو مدنظر رکھتے ہوئے حکم نہیں کرتا بلکہ ایک ناصح اور خیرخواہ کے روپ میں ایک چیز کے منافع و نقصانات کے بارے میں بتاتا ہے مثلاً جس طرح مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر اسے کہتا ہے فلاں چیز نہ کھانا ورنہ فلاں نقصان ہو جائے گا۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر ایک ناصح اور خیرخواہ کے روپ میں مریض کو نقصان سے آگاہ کر رہا ہے۔

امرونی مولوی اور ارشادی کی خصوصیات:

امر ونہی ارشادی میں مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ آپ کو آگاہ کیا جائے فلاں چیز میں فلاں فائدہ یا فلاں نقصان ہے لہذا بذات خود امرونی ارشادی کی کوئی حیثیت نہیں جبکہ امرونی مولوی میں بذات خود اسکی اہمیت ہوتی ہے۔ یا یوں کہیں کہ امرونی ارشادی کی اپنے اعتبار سے اطاعت و نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ مقصود فائدے یا نقصان کی جانب متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ امرونی مولوی میں اپنے اعتبار سے اطاعت و نافرمانی ہوتی ہے مثال جیسے قرآن میں آیا ہے ”اطيعوا الله“ یہ امر ارشادی ہے یعنی وہ اوامر جو خدا کی جانب سے ہیں انکو انجام دو جیسے نماز روزہ حج وغیرہ۔

ذرا غور کیجئے!

یہاں ”اطيعوا الله“ کی نسبت کوئی خاص امر نہیں ہے بلکہ ”اطيعوا الله“ ارشاد اور رہنمائی ہے ان اوامر کی جانب

جو خدا کی جانب سے ہیں پس اگر کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اس نے دو مخالفتیں نہیں کیں۔ ایک ”اطيعوا الله“ کی اور دوسری ”اقیموا الصلوۃ“ کی۔ یہاں ایک ہی مخالفت ہے اور ایک ہی عقاب ہوگا۔

خلاصہء کلام:

امرونی ارشادی کی بذات خود اطاعت مقصود نہیں ہوتی ہے لہذا امرونی

ارشادی کی مخالفت معصیت اور گناہ نہیں ہے بخلاف امر ونہی مولوی کے۔

امر و نہی ارشادی میں آمر کا لہجہ ناصحانہ اور خیر خواہانہ ہوتا ہے اور اگر کوئی امرونی کی مخالفت کرے تو لامحالہ وہ نقصان ہوگا۔ پھر اس جگہ وہ آمر یہ لب ولہجہ اختیار کرتا ہے: ”میں نے نہیں کہا تھا یوں نہ کرنا ورنہ فلاں نقصان ہو جائے گا“ برخلاف امرونی مولوی کے۔

امرونی ارشادی میں طبیعی اور خارجی اثرات ہوتے ہیں لہذا مخالفت کی صورت میں وہ برے اثرات تو بہر حال ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ماں اپنے بیٹے کو کہتی ہے دیکھو بیٹا! آگ کے قریب مت جانا ورنہ ہاتھ جل جائے گا، اب اگر بیٹا مخالفت کرے گا تو یقیناً اسکا ہاتھ جل جائے گا برخلاف امر ونہی مولوی کے۔

امر ونہی ارشادی جو طبیعی اور خارجی اثرات ہوتے ہیں وہ ختم نہیں ہوسکتے جیسے مذکورہ بالا مثال میں بچہ اگر آگ کی جانب اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو یقیناً جل کر رہے گا۔

گزشتہ سے پیوستہ:

مذکورہ مطالب روشن ہو گئے تو اب حضرت آدمؑ کے متعلقہ نہی کی طرف آتے

ہیں آیا وہ نہی ارشادی تھی (اگر ارشادی تھی تو اسکی مخالفت کبھی بھی مولیٰ کی مخالفت نہیں کہلائے گی) یا نہی مولوی تھی؟

حضرت آدمؑ کے بارے میں جو آیات سورہ بقرہ، اعراف اور طہ میں ذکر ہوئی ہیں۔ اگر ان سب پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ نہی ارشادی تھی۔

نہی ارشادی کے شواہد:

خدا حضرت آدمؑ سے فرماتا ہے دیکھو اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ مشقت میں پڑ جاؤ گے!

سورہ طہ میں فرمایا: فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَ لِرَوْحِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكَمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى، إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَ لَا تَعْرِى، وَ أَنْتَ لَا تَطْمَؤُنَا فِيهَا وَ لَا تَضْحَكُ [2]

یہاں ”فتشقی“ میں فاء نتیجہ والا ہے جو بیان کر رہا ہے اگر مخالفت کرو گے تو مشقت میں پڑ جاؤ گے پھر بعد والی آیت میں خود ہی بیان کیا وہ مشقت کونسی ہے؟

”إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَ لَا تَعْرِى، وَ أَنْتَ لَا تَطْمَؤُنَا فِيهَا وَ لَا تَضْحَكُ“ جنت میں نہ بھوک ہے نہ پیاس اور نہ

عریانی ہے نہ گرمی وغیرہ۔ اگر اس جنت سے نکل گئے تو بھوک پیاس، عریانی اور گرمی وغیرہ کی مصیبتیں جھیلنا پڑیں گی۔

آپ نے غور فرمایا: یہاں آمر کا لب ولہجہ ناصحانہ اور خیرخواہانہ ہے اور نیز یہاں طبیعی و خارجی عواقب کی بات کی جارہی ہے جو کہ نہی ارشادی کی خاصیتیں ہیں۔

اس مقام پر خداوند کریم اپنی مولویت اور مالکیت کا اظہار نہیں فرما رہا بلکہ خیرخواہ اور نصیحت کرنے والے کی طرح فرما رہا ہے:

فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِرِزْوِ جِجْ فَلَا يُخْرِجَنَّكَمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْتَفِي [3]

ترجمہ: پھر ہم نے کہا: اے آدم! یہ آپ اور آپ کی زوجہ کا دشمن ہے، کہیں یہ آپ دونوں کو جنت سے نکال نہ دے پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں گے۔

جب آدم و حوا مخالفت کرچکے تو بلا فاصلہ جنتی لباس سے محروم ہو گئے پھر ندامت سے پتوں کے ذریعہ اپنی شرمگاہ چھپانے لگے۔

فَاكَلَا مِنْهَا فَبَدَتَ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيَّهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَ عَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى [4]

تو ایسے عالم میں اچانک دونوں سنتے ہیں:

وَ نَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَ أَقُلَّ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ [5]

ترجمہ: اور ان کے رب نے انہیں پکارا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تمہیں بتایا نہ تھا کہ شیطان یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے؟

اگر نہی مولوی کی مخالفت کی جائے تو توبہ کے ذریعے اسکے تبعات اور لوازم ختم ہوجاتے ہیں جبکہ یہاں دیکھتے ہیں آدم و حوا کی توبہ کے بعد بھی اس مخالفت کے تبعات اور آثار ختم نہیں ہوتے جیسے بہشت سے نکالا جانا۔ یعنی جب آدم نے توبہ کرلی تو پھر انکو دوبارہ جنت میں واپس نہیں لایا گیا۔ اگر یہ نہی مولوی کی مخالفت کی وجہ سے ہوتا تو توبہ کے بعد انکو دوبارہ جنت میں آنا چاہیئے تھا کیونکہ توبہ کے ذریعے مولوی مخالفت کے آثار تو ختم ہوجاتے ہیں۔

آدم کے عصیان کو ”غوايت“ سے تعبیر کیا گیا ہے: وَ عَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى [6]

غوايت کا مطلب ”راہ گم کرنا“ جبکہ اگر نہی مولوی ہوتی تو یہاں غوايت کے بجائے غضب کو ذکر کیا جاتا یعنی ایسے ہوتا ”وَ عَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَضِبَ عَلَيْهِ“ کیونکہ جو نافرمانی کرتا ہے اس پر غضب کیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں آیت کا لحن و اسلوب یہ ہوتا ”آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس وہ مغضوب بنا“ جبکہ یہاں اس طرح آیا ہے ”آدم نے عصیان کیا پس وہ راہ گم کرچکا تھا“ یہ اسلوب نہی ارشادی سے سازگار ہے گویا کہا جارہا ہے اسے خبردار کیا گیا تھا اسے بتایا گیا تھا اسے راہ دکھائی گئی تھی لیکن وہ راہ گم کر بیٹھا۔

یہاں سے پتہ چلا ”فأزلهما الشيطان“ شیطان کے پھسلانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گناہگار ہوئے بلکہ خدا کی نصیحت کو چھوڑ دیا اور مشقت میں پڑ گئے چنانچہ آسانی کا راستہ چھوڑ کر مصیبت اور مشقت میں پڑنا بھی ایک طرح کا پھسلنا ہے۔

اور نیز یہ بھی آشکار ہوا ”فغوى“ غواہیت سے مراد بھی گناہ نہیں ہے بلکہ سہولت اور آرام دہ راستے کا گم کرنا ہے۔

اور نیز ”فتكونا من الظالمين“ سے مراد بھی یہ نہیں ہے کہ گناہ کار اور ظالم بن گئے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے لیے مصیبت کا اضافہ کر لیا کیونکہ جنت میں تو ہر چیز بغیر مشقت کے دستیاب تھی لیکن اب سب خود کرنا پڑے گا لہذا ایک طرح سے خود پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

اور نیز یہ بھی معلوم ہو گیا ”فعصى آدم ربّه“ میں عصیان سے مراد نافرمانی اور امر مولوی کی مخالفت نہیں ہے بلکہ ایک ناصح کی بات پر عمل پیرا نہ ہونا مقصود ہے۔

[1]۔ارشاد الطالبین الی نہج المسترشدين ص ۳۰۲

[2]۔سورہ طہ آیت ۱۱۷-۱۱۹

[3]۔ایضاً ۱۱۷

[4]۔ایضاً ۱۲۱

[5]۔سورہ اعراف ۲۲

[6]۔سورہ طہ ۱۲۱